منظوم ترجمہ و تفسیر قرآن کا رجحان اور برصغیر میں اس کی مقبولیت

(ابتدا و ارتقا، قبول وعدمِ قبول کے اسباب و خدشات کا ایک جائزہ)

محمد احمد رضا۞

قرآن کریم اپنے نزول کے وقت سے مسلمانوں کے غور و تدبر کا میدان رہا ہے۔ دائرہ اسلام کے وسیع ہونے کے نتیجے میں جو نئی ضروریات پیش آئیں ان میں قرآن کو اہل عجم کے لیے قابل فہم بنانے کی ضرورت بھی سر فہرست تھی جس کے لیے قرآن کریم کے تراجم کی ضرورت سامنے آئی۔ ہمارا خطہ برصغیر میں اس سلسلے میں سر فہرست ہے جہاں عالمی اور مقامی زبانوں میں بے شمار تراجم ہوئے۔ ان تراجم کے اسالیب میں ایک اسلوب منظوم ترجمے کا بھی ہے۔ زیر نظر مقالے میں اس خطے میں اس طرز ترجمہ کی ابتدا و ارتقا اور قبول و عدم قبول کے اسباب و خدشات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

سنہ ۲۷۰ھ کے لگ بھگ ایک ہندوستانی راجہ کی فرمائش پر ایک عراقی نژاد عالم نے رائج الوقت ہندوستانی زبان میں قرآنِ کریم کا ترجمہ کیا،[1] یہ ترجمہ برِّصغیر میں کیا گیا پہلا ترجمۂ قرآن قرار پایا، اُس وقت سے لے کر آج تک اس زرخیز خطے نے قرآنِ کریم کے ہزاروں خدّام پیدا کیے، جنھوں نے اس کتابِ مقدس کی خدمت میں اپنی خداداد علمی و ادبی صلاحیتوں کو ایسے ذوق و شوق سے صرف کیا کہ زمانے کو اچھوتے رجحانات اور نت نئے اسالیب سے روشناس کروایا،[2] چناں چہ صنعتِ مہملہ[3] میں لکھی گئی عربی تفسیر **سواطع الإلهام** اس

۞ فاضل درس نظامی، فاضلِ تخصص فی الحدیث، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ (raqimriza@gmail.com)

۱۔ قاضی محمد اطہر مبارکپوری، رجال الهند و السند، اردو ترجمہ از مولانا عبد الرشید بستوی، **سندھ و ہند کی قدیم شخصیات**، (کراچی: مکتبہ خدیجۃ الکبریٰ، ۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء)، ۳۵۷-۳۵۸۔

۲۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے: محمد رضی الاسلام ندوی، "بیسویں صدی عیسوی میں عربی زبان میں علمائے ہند کی قرآنی خدمات"، **ماہنامہ تعمیرِ افکار کراچی، قرآنِ کریم نمبر**، شمارہ اگست، ستمبر، اکتوبر (۲۰۱۰ء)، ۲: ۱۹۳-۲۰۶؛ عبید اللہ فہد فلاحی، "ہندوستانی عربی ادبیات میں تفسیری رجحانات کا مطالعہ"، **ماہنامہ تعمیرِ افکار کراچی، قرآنِ کریم نمبر**، نفس مرجع، ۲: ۲۰۷-۲۲۰۔

۳۔ صنعتِ مہملہ، اسے صنعتِ عاطلہ اور غیر منقوطہ بھی کہتے ہیں، یعنی ایسی عبارت یا نظم لکھنا جس میں حروف منقوطہ نہ ہوں، صرف حروفِ مہملہ ہوں (نجم الغنی خاں نجمی رام پوری، **بحر الفصاحت**، تدوین کمال احمد صدیقی (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۲۰۰۶ء)، ۲: ۱۳۰۰)۔

کی ایک جیتی جاگتی دلیل ہے،[۴] منظوم ترجمہ و تفسیرِ قرآن کا رجحان بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں برِّصغیر کو اگر اوّلیت حاصل نہیں تو پوری دنیا میں ایک ممتاز مقام ضرور حاصل ہے۔

قرآنِ کریم کے منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کی ابتدا

خلاّقِ ازل نے جب انسان کو قوتِ گویائی دی اور انسان نے اس قوت کو اپنے خیالات کے اظہار کے لیے استعمال کرنا سیکھا، اسی وقت سے اس کو ادائے خیال کے دو طبعی طریقے یعنی نظم و نثر ملے، چناں چہ انسانیت زمانۂ قدیم ہی سے طرزِ نظم سے آشنا ہو چکی تھی، بلکہ سب سے پہلے انسان، حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلام کی طرف کچھ اشعار بھی منسوب ہیں،[۵] نتیجہ یہ ہے کہ آج ہر ملک، ہر قوم اور ہر زبان کے ادب میں یہ دونوں صنفیں قدرِ مشترک کی طرح پائی جاتی ہیں۔[۶]

۴۔ برِصغیر کی معروف شخصیت ابو الفضل فیض اللہ بن مبارک فیضی (۹۵۴ھ۔ ۱۰۰۴ھ) اور ان کی اس تفسیر سے متعلق تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: محمد عارف اعظمی عمری، **تذکرۂ مفسرینِ ہند** (اعظم گڑھ (ہند): دار المصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۶ء)، ۱: ۸۹۔ ۱۰۲۔

قاضی عبد الصمد صارم اس تفسیر سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: "یہ تفسیر عبارتِ بے نقط میں لکھی گئی ہے، دو جلدیں ہیں مصنف کے کمالِ ادبِ عربی کی شاہدِ عادل ہے، دو برس اس کی تصنیف پر صرف ہوئے، باعتبارِ ادب ایسی تفسیر نہ پہلے لکھی گئی اور نہ آج تک لکھی گئی ہے، نہ آئندہ امید ہے، مستند محدثین مثل شیخ یعقوب صیرفی کشمیری کی اس پر تقاریظ ہیں، ہندوستان اس تفسیر پر جس قدر فخر و ناز کرے زیبا ہے، یہ ہندی عالم کا بے نظیر کارنامہ ہے۔" (عبد الصمد صارم، **تبیان الراسخ معروف بہ تاریخ التفسیر** (کراچی: میر محمد کتب خانہ، ۱۳۵۵ھ)، ۶۲)۔

تاہم قاضی صاحب موصوف کے خلافِ توقع اسی صنعتِ مہملہ میں کچھ اور تفاسیر بھی معلوم ہوئی ہیں، چناں چہ شیخ علی بن محمد آمدی شافعی (متوفی ۱۲۱۰ھ) کی **تفسیر سورۃ الفاتحہ** اور امداد علی بن رحمن بخش کنتوری (۱۲۱۸ھ۔ ۱۲۹۲ھ) کی **تفسیر سورۃ یوسف** بھی صنعتِ مہملہ میں ہیں (اسماعیل پاشا بغدادی، إيضاح المكنون ذيل كشف الظنون (بیروت: دار إحياء التراث، ب ت)، ۱: ۳۰۷؛ وعبد الحیّٔ حسنی، الثقافة الإسلامية في الهند، مراجعة و تقديم أبو الحسن علي الندوي (دمشق: مجمع اللغة العربية، ۱۹۸۳ء)، ۱۷۰ اور اسی طرح شام (دمشق) کے معروف عالم شیخ محمود آفندی (متوفی ۱۳۰۵ھ) نے اوائلِ عمر میں درر الأسرار کے نام سے ایک غیر منقوط تفسیر لکھی ہے (قاضی محمد زاہد الحسینی، **تذکرۃ المفسرین** (اٹک: دار الارشاد، ۱۴۲۵ھ)، ۳۰۶)۔

۵۔ ابو زید محمد بن ابی الخطاب القرشی، جمهرة أشعار العرب في الجاهلية والإسلام، تحقیق وضبط علی محمد البجاوی (مصر: مکتبہ نهضة، ب ت)، ۳۰۔ ۳۱۔

۶۔ عمر فروخ، تاريخ الأدب العربي (بیروت: دار العلم للملايين، ۲۰۰۶ء)، ۱: ۴۴؛ سید امداد امام اثرؔ، **کاشف الحقائق معروف بہ بہارستانِ سخن**، ترتیب وہاب اشرفی (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)، ۹۴۔

دوسری جانب یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ شاعر جہاں اپنے خیالات کا اظہار کیا کرتا ہے، وہیں وہ دوسروں کے خیالات بھی اپنی نظم کے پیرائے میں بیان کرتا ہے، جب کہ اپنی تعبیر اور اپنے الفاظ میں کسی دوسرے کے خیالات کا اظہار ہی "ترجمہ" کہلاتا ہے، اسی لیے ترجمہ میں نثر کی طرح نظم کے استعمال کی ریت خاصی قدیم چلی آرہی ہے۔ البتہ یہاں یہ سوال قابلِ غور ہے کہ قرآنِ کریم کے منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کی ابتدا کب اور کہاں سے ہوئی؟ سر دست اس سوال کا جواب دینا خاصا مشکل ہے، تاہم تاریخ کا درجِ ذیل حوالہ اس تناظر میں خصوصی توجّہ کے لائق معلوم ہوتا ہے:

"الرا" کے راجہ مہروک بن رایق نے ۲۷۰ھ میں حاکمِ منصورہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھا، اس میں اس سے درخواست کی کہ ہندوستانی زبان میں مذہبِ اسلام کی تشریح و تفسیر میرے لیے کر دی جائے، حاکمِ منصورہ نے ایک عراقی نژاد شخص کو بلایا، جو بہت تیز طرار، زیرک اور سمجھ دار، نیز بلند قامت شاعر بھی تھا، اس کی نشو و نما چوں کہ ہندوستان ہی میں ہوئی تھی اس لیے اسے ہندوستان کی مختلف زبانیں آتی تھیں، حاکمِ منصورہ نے راجہ "الرا" کی خواہش اسے بتائی، چناں چہ اس نے ایک لمبی نظم کہی، جس میں مذہبِ اسلام کی جامع تعریف و تشریح ذکر کی، حاکمِ منصورہ نے یہ نظم راجہ "الرا" کے یہاں بھجوا دی، جب راجہ "الرا" کے سامنے یہ نظم پڑھی گئی تو اسے بہت پسند آئی اور حاکمِ منصورہ کے نام دوسرا خط لکھ کر درخواست کی کہ نظم لکھنے والے کو اس کے پاس بھیج دیا جائے، چناں چہ وہ شخص گیا اور پورے تین سال تک اس کے یہاں قیام پذیر رہا۔

جب منصورہ واپس آیا تو حاکمِ منصورہ امیر عبداللہ نے اس سے راجہ "الرا" کی بابت معلوم کیا، اس نے اس کے تمام حالات بیان کیے، اور کہا کہ جب میں راجہ "الرا" کے یہاں سے رخصت ہوا تھا اس وقت وہ دل و زبان سے اسلام قبول کر چکا تھا، مگر حکومت و سلطنت چلی جانے کے اندیشے سے اس کا اعلان نہ کر سکا تھا۔ اس شخص نے یہ بھی بتایا کہ راجہ "الرا" نے مجھ سے کہا کہ میں ہندوستانی زبان میں قرآنِ کریم کی تفسیر و تشریح اس کے سامنے بیان کروں۔ تفسیر کرتے ہوئے جب میں سورۂ یٰسین تک پہنچا اور درجِ ذیل آیت کی تشریح کی: ﴿قَالَ مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾

تو وہ اپنے تخت سے اُٹھا اور فرش پر چلنے لگا، فرش کچا تھا اور پانی کا چھڑکاؤ ہونے کے سبب تر بھی، اس نے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی اور زار و قطار رونے لگا یہاں تک کہ اس کی پیشانی کیچڑ آلود ہو گئی۔۔۔۔۔۔ اس شخص نے یہ بھی بتایا کہ راجہ "الرا" نے اسے تین دفعہ میں سات سو من سونا عطا کیا"۔(۷)

۷- قاضی محمد اطہر مبارکپوری، مصدرِ سابق، ۳۵۷-۳۵۸؛ صارم، مرجع سابق، ۶۸-۶۹۔

یہی وہ حوالہ ہے جس کی بنا پر اِس عراقی نژاد عالم کے کیے ہوئے ترجمہ کو برِ صغیر کا اوّلین ترجمۂ قرآن کہا گیا، تاہم اس اقتباس سے ہمارے پیشِ نظر درج ذیل نکات ہیں:

۱۔ اس مترجم عراقی عالم کا تعارف ایک بلند قامت شاعر کی حیثیت سے کروایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے طرزِ نثر کی بہ نسبت طرزِ نظم میں زیادہ کمال حاصل تھا۔

۲۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے مذہبِ اسلام کے تعارف اور تفسیر و تشریح کے لیے بجائے نثر کے، نظم کو بہ طورِ خاص اختیار کیا، حالاں کہ مسلمانوں کے ہاں عام طور پر اس جیسے دینی مقاصد کے لیے طرزِ نظم کو اختیار کرنے کا معمول نہیں تھا۔

۳۔ اس عالم کو ہندوستانی زبان و ادب میں ایسی کامل دست گاہ حاصل تھی کہ اس کی لکھی ہوئی یہ نظم اپنی طوالت اور ایک خالص مذہبی مضمون پر مشتمل ہونے کے باوجود خاصی دل چسپ سمجھی گئی۔

۴۔ راجہ بھی طرزِ نظم کا ایسا دل دادہ اور قدردان تھا کہ اس نے نظم نگار کے بھیجنے کا مطالبہ کر دیا، پھر اس کو تین سال تک اپنے پاس رکھا اور اسی دوران اس سے قرآنِ کریم کا وہ ترجمہ اور تفسیر کروایا، جو ہندوستان کا اوّلین ترجمہ قرار پایا۔

۵۔ راجہ اس ترجمے اور تفسیر کو اس مترجم سے خود سنتا بھی رہا، اور دورانِ سماع اُس ترجمہ سے بے حد متاثر ہونے کی شہادت بھی اسی اقتباس میں موجود ہے۔

۶۔ راجہ کے ہاں اس تین سالہ قیام کے دوران اس عالم نے کچھ ایسے نمایاں کارنامے سرانجام دیے جن کی بنا پر راجہ نے اسے تین بار خصوصی عطایا سے نوازا۔

ان نتائج کے پیشِ نظر یہ قیاس آرائی کی جا سکتی ہے کہ جب یہ ترجمہ نگار طرزِ نظم کو نبھانا بہ خوبی جانتا تھا اور یہی طرز اس کی شہرت اور مقبولیت کا باعث بھی تھا اور ترجمہ کا خواہش مند راجہ بھی طرزِ نظم کا رسیا تھا، بلکہ وہ یہ ترجمہ سنا بھی کرتا تھا اور ظاہر ہے کہ طرزِ نثر کی بہ نسبت طرزِ نظم سننے میں زیادہ اثرانداز ہوتا ہے، تو عین ممکن ہے کہ یہ ترجمہ اور تفسیر بھی نظم کی صورت میں ہی ہو!

تاہم یہ ایک خیال ہے جس پر مزید غور و فکر کی ضرورت ہے، پھر اگر دیگر قرائن سے اس کی تائید ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ برّصغیر میں ترجمۂ قرآن کا نقطۂ آغاز ہی قرآنِ کریم کے منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کا نقطۂ آغاز بھی تھا، اور برِ صغیر کی سرزمین ہی اس رجحان کی جائے پیدائش تھی۔

موجودہ تفسیری ادب اور اوّلین منظوم تراجم و تفاسیر

موجودہ تفسیری ادب اور اس سے متعلق اشاریوں اور فہرستوں کی ایک ناقص سی جستجو کے بعد جو سب سے قدیم منظوم تفسیر ہمارے علم میں آئی ہے وہ ساتویں صدی ہجری میں امام ابو محمد عبد العزیز بن احمد دیرینی شافعی (۶۱۲ھ - ۶۹۴ھ) کی عربی زبان میں التيسير في علم التفسير ہے،[۸] اور اس کے بعد عربی زبان میں ہی امام ابو العباس احمد بن ناصر بن خلیفہ باعونی (۷۵۱ھ ـ ۸۱۶ھ) کی آٹھویں صدی کے اواخر میں لکھی گئی نظم في التفسير ہے،[۹] پھر نویں صدی میں امام احمد بن محمد بن عبداللہ رومی (۷۹۱ھ ـ ۸۵۴ھ) کے تفسير فقيه أبي الليث السمرقندي کے منظوم ترکی ترجمے کا پتا ملتا ہے۔[۱۰]

واضح رہے کہ ساتویں صدی ہجری سے قبل کے تفسیری ادب میں چند ایسی تفاسیر بھی موجود ہیں جن کے ناموں سے ان کے منظوم ہونے کا شبہ ہوتا ہے، مثلاً تیسری صدی ہجری میں امام ابن ابی داوٗد سجستانی (متوفی ۳۱۶ھ) کی نظم القرآن اور اسی طرح چوتھی صدی ہجری میں امام احمد بن سہل بلخی (متوفی ۳۲۲ھ) کی نظم القرآن وغیرہ،[۱۱] لیکن محض ایسے ناموں کی بنا پر ان کو منظوم کتبِ تفسیر میں شامل کرنا درست معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ ان کے تذکرہ نگاروں، طبقاتِ مفسرین کی کتب اور کتبِ تفسیر کے فہارس و اشاریہ جات نے انھی کے منظوم ہونے کی تصریح نہیں کی، جب کہ درجِ بالا اور ان کے بعد کی متعدد تفاسیر کے منظوم ہونے کا علم انھی مصادر کا مرہونِ منت ہے، بلکہ جن حضرات نے محض ناموں کی بنا پر ایسی کتب کو منظوم تفاسیر میں شامل کیا ہے وہ سہو کا شکار ہوئے ہیں۔[۱۲]

۸- الحافظ شمس الدین محمد بن علی بن احمد الداوودی، طبقات المفسرين (مکہ مکرمہ: دار الباز للنشر و التوزيع، ب ت)، ۱: ۳۱۲؛ احمد بن محمد الادنوی، طبقات المفسرين (مدینہ منورہ، مكتبة العلوم والحكم، ۱۴۱۷ھ)، ۲۵۷۔

۹- فهرست مصنفات تفسير القرآن الكريم، (السعودية: مركز الدراسات القرآنية، مجمع الملك فهد للطباعة للمصحف الشريف، ۱۴۲۴ھ)، ۳ : ۱۲۹۸۔

۱۰- زاہد الحسینی، تذکرۃ المفسرین، ۲۳۲۔

۱۱- فهرست مصنفات تفسير القرآن الكريم، ۳: ۱۲۹۸- ۱۲۹۹۔

۱۲- جیسا کہ قاضی محمد زاہد الحسینی نے مولوی ولی اللہ بن مفتی سید احمد علی حسینی (متوفی ۱۲۴۹ھ) کی تفسیر نظم الجواہر کو غالباً اس کے نام کے پیشِ نظر منظوم فارسی تصنیف قرار دیا ہے (تذکرۃ المفسرین، ۲۹۴)، حالاں کہ یہ تفسیر منظوم نہیں، اس

اسی طرح علوم القرآن سے متعلق اور علمِ تفسیر کے اصول، مبادیات و متعلقات مثلاً "غریب القرآن" وغیرہ سے متعلق بعض منظومات کو بھی منظوم تفاسیر شمار کیا گیا ہے،[۱۳] حالاں کہ انھیں تفسیرِ قرآن قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ بعض حضرات نے تو بہ کثرت اشعار پر مشتمل ہونے کی بنا پر ایک تفسیر کو منظوم تفاسیر میں شمار کر دیا،[۱۴] حالاں کہ وہ اشعار بہ طورِ استشہاد نقل کیے گئے ہیں۔

الغرض دستیاب و معلوم تفسیری ادب میں سے جن کتب کو یقینی طور پر منظوم تراجم و تفاسیر کہا جا سکتا ہے ان میں سے درجِ بالا تین کتب ہمارے علم کے مطابق اوّلین ہیں، اور اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کو عرب علمی حلقوں میں ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں بھی کوئی خاص پذیرائی حاصل نہ تھی بلکہ اسے خاصے محتاط انداز سے برتا جاتا تھا، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نویں صدی ہجری میں ترکی زبان نے منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کو عربی سے حاصل کر لیا تھا۔

کتاب کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: سعود عالم قاسمی، "مولانا ولی اللہ فرنگی محلی کی تفسیر معدن الجواہر"، **قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں** (پٹنہ: خدا بخش لائبریری، ۱۹۹۵ء)، ۲۲۳-۲۳۵۔

۱۳- مثلاً **فہرست مصنفات تفسير القرآن الكريم** کے فہرست نگار نے ابن الشحنۃ محمد بن محمد حلبی (متوفی ۸۱۵ھ) کے **الألفية في عشرة علوم** کو من تفاسير القرآن الكريم المنظومة کے تحت ذکر کیا ہے (ایضاً، ۳: ۱۶۲۱)، جب کہ اس میں علمِ تفسیر کا محض تعارف ہے۔ نیز غریب القرآن کی تشریح و تفسیر میں مرتب کیے گئے بعض منظومات کو بھی اسی زمرے میں شامل کیا ہے (**فہرست**، ۳: ۱۶۲۱) حالاں کہ جیسے لغات القرآن کی کتب کو تفسیر نہیں کہا جا سکتا، ایسے ہی غریب القرآن کی کتب کو بھی تفسیر کہنا درست نہیں۔ تفسیر اور متعلقاتِ تفسیر کے مابین فرق کے لیے ملاحظہ فرمائیے: خالد بن عثمان السبت، **قواعد التفسير** (بیروت: دار ابن عفان، ۱۴۲۱ھ)، ۱: ۳۲۔

۱۴- ملاحظہ فرمائیے: مولوی فقیر محمد بن محمد عبد اللہ، **عالمی زبانوں میں تراجم قرآن مجید** (لاہور: نوید پبلشرز، ۲۰۰۱ء)، ۱۳۲، اس میں عبد الوہاب بن محمد شیرازی (متوفی در ۵۰۰ھ) کی تفسیر میں ایک لاکھ اشعار پائے جانے کی وجہ سے اسے منظوم تفاسیر میں شمار کیا ہے، حالاں کہ اوّل تو اس میں ایک لاکھ اشعار کا پایا جانا ہی مشکوک ہے، کیوں کہ **طبقات المفسرين** میں ایک جگہ اس میں ایک لاکھ اشعار کا ذکر ہے، اور دوسری جگہ صرف پانچ سو اشعار کا ذکر ہے، دوم یہ کہ دونوں جگہ اس بات کی تصریح ہے کہ یہ اشعار بہ طورِ استشہاد نقل کیے گئے ہیں، ملاحظہ فرمائیے: احمد بن محمد الادنوی، **طبقات المفسرين** (مدینہ منورہ، ۱۴۸- ۱۵۰)۔

منظوم ترجمہ و تفسیرِ قرآن کا رجحان اور برِّ صغیر

برِ صغیر کو اگر منظوم ترجمہ و تفسیرِ قرآن کے رجحان کی جائے پیدائش نہ مانا جائے، تب بھی اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس باب میں برِ صغیر کو یہ امتیاز اور منفرد مقام حاصل ہے کہ جس کثرت سے منظوم تراجم و تفاسیر یہاں لکھے گئے ہیں، دنیا بھر کی زبانوں میں سے کسی بھی زبان میں نہیں کیے گئے، برِ صغیر کی چند اہم زبانوں میں کیے گئے منظوم تراجم و تفاسیر کی تعداد کا ایک جائزہ حسبِ ذیل ہے:

اردو ----- ۱۲۲ (۱۵)

پنجابی ----- ۳۹ (۱۶)

۱۵- اردو کی منظوم کتب تفسیر کی یہ تعداد درجِ ذیل کتب، مضامین اور اشاریہ جات سے ماخوذ ہے:
مولوی عبد الحق، "پرانی اردو زبان میں قرآنِ مجید کے تراجم اور تفاسیر"، **سیارہ ڈائجسٹ**، قرآن نمبر، لاہور، دسمبر (۲۰۰۱ء)، ۲:۱۷۰- ۱۷۴؛ محمد عالم مختار حق، "اردو تراجم و تفاسیر"، ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی"، **قرآن کریم نمبر**، ۳۰: ۱-۲، شوال و ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ، مطابق جنوری و فروری (۱۹۶۸ء)، ۷۴؛ سید حمید شطاری، **قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ ۱۹۱۴ء تک** (ہندوستان: حیدر آباد، ۱۹۸۲ء)؛ احمد خان، **قرآنِ کریم کے اردو تراجم (کتابیات)**، نظر ثانی، سید عبد القدوس ہاشمی (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء)؛ جمیل نقوی، **اردو تفاسیر (کتابیات)** (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء)، ۱۲۱-۱۲۸؛ قاضی محمد زاہد الحسینی، **تذکرۃ المفسرین** (اٹک: دار الارشاد، ۱۴۲۵ھ)؛ فقیر محمد بن محمد عبد اللہ، **عالمی زبانوں میں تراجم قرآن مجید** (لاہور: نوید پبلشرز، ۲۰۰۱ء)، ۱۳۰-۱۳۲؛ اعجاز فاروق اکرم، "برِ صغیر میں مطالعۂ قرآن تراجم و تفاسیر" **فکر و نظر، خصوصی شمارہ برِ صغیر میں مطالعۂ قرآن**، اسلام آباد، ۳۶: ۳-۴، ۶۷-۱۰۴؛ سید یحیٰ نشیط، **اردو میں حمد و مناجات** (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۰۰ء)، ۱۱۶-۱۱۷، شبیر حسین خاں جوش ملیح آبادی (متوفی ۱۹۸۲ء) کے سورۂ رحمن کے منظوم ترجمہ کا حوالہ ہے۔ محمد حبیب اللہ قاضی چترالی، **برِ صغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ** (کراچی: زم زم پبلشرز، ۲۰۰۷ء)؛ محمد سعید شیخ، "منظوم اردو تراجم و تفاسیر قرآن"، **ماہنامہ تعمیر افکار کراچی**، قرآن نمبر، ۲: ۸، ۹، ۱۰، ۱۱ اگست تا اکتوبر (۲۰۱۰ء)، ۴۲۱-۴۵۶؛ روش صدیقی، "حریم نیم شبی، سورۂ مزمل کی منظوم ترجمانی"، **ماہنامہ تعمیر افکار کراچی، قرآن نمبر**، ۱: ۶۸۶-۶۹۱، حصہ منظومات؛ سید ابو الخیر کشفی، "سورۂ رحمن، ترجمے کے ساتھ تفسیری تاثر (منظوم)"، **ماہنامہ تعمیر افکار کراچی**، قرآن نمبر، ۱: ۶۹۳-۷۱۴۔ درجِ بالا تمام حوالہ جات سے معلوم ہونے والے منظوم تراجم میں سے مکررات کو حذف کر کے یہ تعداد حاصل کی گئی ہے۔

۱۶- حسبِ سابق یہ تعداد درجِ ذیل کتب، مضامین اور اشاریہ جات سے ماخوذ ہے: محمد عالم مختار حق، "قرآنِ مجید کے اردو تراجم و تفاسیر"، **سیارہ ڈائجسٹ**، قرآن نمبر، ۲: ۳۹۹-۴۴۰؛ ۳: ۴۷۲-۴۸۰؛ محمد باقر، "پنجابی میں قرآنِ مجید کے مطبوعہ تراجم"، **سیارہ ڈائجسٹ**، قرآن نمبر، ۳: ۳۵۷-۳۶۰؛ احمد خان، **قرآنِ کریم کے اردو تراجم (کتابیات)**، (۱۹۸۷ء)؛

بنگلا ----- ۵ [۱۷]

پشتو ----- ۳ [۱۸]

ہندی ----- ۲ [۱۹]

سندھی ----- ۲ [۲۰]

براہوی ----- ۱ [۲۱]

ان کی مجموعی تعداد ۱۷۴ بنتی ہے، یہ وہ تعداد ہے جو مختلف حوالوں سے ہمیں حاصل ہوئی ہے، اس میں مکررات کے شمار سے حتی الامکان گریز کیا گیا ہے، تاہم مکمل اور جزوی تراجم و تفاسیر سبھی کو یکساں شمار کیا ہے، ظنِ غالب ہے کہ واقعی تعداد اس سے زیادہ ہے، جب کہ ابھی اس میں برِّصغیر کی کئی علاقائی اور مقامی زبانیں مثلاً گجراتی، سرائیکی، کشمیری وغیرہ کے منظوم تفسیری ادب کو شمار ہی نہیں کیا گیا، نیز برِ صغیر میں کیے گئے عربی اور فارسی منظوم تراجم و تفاسیر [۲۲] کو بھی اس میں شامل نہیں کیا گیا، اگر ان سب کو بھی شمار کیا جائے تو یہ تعداد کہیں

جمیل نقوی، **اردو تفاسیر** (کتابیات)، ۱۴۵ -۱۴۸؛ فقیر محمد بن محمد عبد اللہ، **عالمی زبانوں میں تراجم قرآن مجید**، ۱۳۰-۱۳۲؛ اعجاز فاروق اکرم، **برِ صغیر میں مطالعۂ قرآن تراجم و تفاسیر**، ۶۷ -۱۰۴۔

۱۷- ذوالفقار احمد قسمتی، "بنگلہ زبان میں تراجم اور تفاسیر"، **سیارہ ڈائجسٹ**، قرآن نمبر، ۲: ۱۷۶ - ۱۷۹؛ اعجاز فاروق اکرم، **برِ صغیر میں مطالعۂ قرآن تراجم و تفاسیر**، ۸۷۔

۱۸- حافظ محمد ادریس، "پشتو ادب میں تفاسیر کا ذخیرہ"، **سیارہ ڈائجسٹ**، قرآن نمبر، ۲: ۱۸۰- ۱۸۶؛ جمیل نقوی، **اردو تفاسیر** (کتابیات)، ۱۳۳-۱۳۶۔

۱۹- عبد الرحیم، **لباب المعارف العلمیۃ**، (پشاور: فہرست کتب مکتبہ شرقیہ دار العلوم اسلامیہ، ب ت)، ۲۶، اس موقع پر سورۂ والضحیٰ کی ایک منظوم ہندی تفسیر کا حوالہ ہے۔ (مفتی محمد مشتاق تجاروی، "قرآن مجید کے ہندی تراجم"، **ماہنامہ تعمیر افکار کراچی**، قرآن نمبر، ۲: ۲۲۶)، نظم معریٰ میں ایک ہندی ترجمہ کا ذکر کیا ہے۔

۲۰- محمد سلیم، "سندھی زبان میں قرآنِ مجید کے تراجم اور تفاسیر"، **سیارہ ڈائجسٹ**، قرآن نمبر، ۲: ۱۸۸-۱۹۱؛ اعجاز فاروق اکرم، "برِ صغیر میں مطالعۂ قرآن تراجم و تفاسیر"، **فکر و نظر**، خصوصی شمارہ برصغیر میں مطالعۂ قرآن، ۹۳؛ جمیل نقوی، **اردو تفاسیر** (کتابیات)، ۱۳۹۔

۲۱- انعام الحق کوثر، "بلوچستان میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر"، **فکر و نظر، خصوصی شمارہ برصغیر میں مطالعۂ قرآن**، ۳۵۷، سورۂ فاتحہ کے منظوم ترجمہ کا ذکر ہے۔

۲۲- برِ صغیر کے منظوم عربی تراجم و تفاسیر کے لیے: عبد الحیٔ حسنی، **الثقافة الإسلامية في الهند**، ۱۶۴ -۱۷۲۔

سے کہیں جا پہنچے گی! الغرض برِّصغیر سے باہر کسی زبان میں اتنی بڑی مقدار میں منظوم تفسیری ادب کا دست یاب ہونا بہت مشکل ہے۔

اچنبھے کی بات تو یہ ہے کہ عربی جیسی وسیع و عریض زبان کا تفسیری ادب بھی اس معاملے میں برِّصغیر کے تفسیری ادب سے بہت پیچھے ہے، چناں چہ تفسیر و مفسرین سے متعلق تعارفی کتب اور فہارس و اشاریہ جات کے کئی سو صفحات کھنگالنے کے بعد بھی عربی کی چند منظوم تفاسیر ہی ملتی ہیں، جیسا کہ احمد بن محمد ادنوی (وفات گیارہویں صدی ہجری) کی **طبقات المفسرین** جس میں پہلی صدی ہجری تا گیارہویں صدی کے ۶۳۸ مفسرین اور ان کی ۶۰۰ کے لگ بھگ کتبِ تفسیر و متعلقاتِ تفسیر کا تعارف ہے، جن میں صرف دو منظوم تفاسیر ہیں،[۲۳] اسی طرح ۱۱۶ کتب و فہارس سے ماخوذ، اور ۳ جلدوں کے ۱۶۴۳ صفحات پر مشتمل **فهرست مصنفات تفسير القرآن الكريم** جس میں تفسیر و متعلقاتِ تفسیر کی ۶۱۲۴ کتابوں کا تعارف ہے،[۲۴] اس کے آخر میں **من تفاسير القرآن الكريم المنظومة** کے عنوان کے تحت صرف ۱۳ کتب کا اندراج ہے[۲۵] پھر از اوّل تا آخر اس کی ورق گردانی کے بعد مزید ۷ کتب کا علم ہو سکا، اس طرح ان کی کل تعداد ۲۰ بنتی ہے، پاکستان میں اس موضوع پر قابلِ قدر تحقیقی کام کرنے والی شخصیت قاضی محمد زاہد الحسینی (متوفی ۱۴۱۷ھ) نے اپنی کتاب **تذكرة المفسرين** میں پہلی صدی ہجری تا چودھویں صدی کے تقریباً ۶۲۶ مفسرینِ کرام اور اُن کی کتب کا تعارف کروایا ہے، ان کی اس

فهرست مصنفات تفسير القرآن الكريم،۱: ۲۸۲،۱: ۳۳۸،۳: ۱۲۷۰۔

اور برصغیر میں منظوم فارسی تراجم و تفاسیر کے لیے: محمد عالم مختار حق، "قرآنِ مجید کے اردو تراجم و تفاسیر"، **سیارہ ڈائجسٹ**، قرآن نمبر، ۲: ۴۳۲؛ انعام الحق کوثر، "بلوچستان میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر"، **فکر و نظر**، خصوصی شمارہ برصغیر میں مطالعۂ قرآن، ۳۶۰۔

۲۳- ادنوی، **طبقات**، ۳۵۷ - ۳۸۶۔

۲۴- مجمع الملک فهد لطباعة المصحف کے مرکز الدراسات القرآنية کی تیار کردہ یہ فہرست، عربی کتبِ تفسیر کی اب تک سامنے آنے والی سب سے مفصل فہرست ہے۔

۲۵- **فهرست مصنفات تفسير القرآن الكريم**،۳: ۱۶۲۱۔

ان ۱۳ کتب میں سے بھی ۴ قرآنِ کریم کی تفسیر نہیں بلکہ متعلقاتِ تفسیر پر مشتمل ہیں، اور باقی ۹ جو قرآنِ کریم کی منظوم تفاسیر ہیں، ان میں سے بھی چار برِصغیر کے اہلِ علم کی تصانیف ہیں۔

کتاب سے بھی عربی کی چند منظوم تفاسیر ہی معلوم ہوتی ہیں، تاہم مکرر ہونے کی بنا پر اس تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔[۲۶]

اور جہاں تک فارسی تفسیری ادب کا تعلق ہے، تو اس حوالے سے کبیر احمد جائسی کا ایک تحقیقی مقالہ "ایران کی تفسیر نویسی پر ایک نظر" اس وقت سامنے ہے،[۲۷] ۲۹ صفحات کے اس مقالہ میں دادِ تحقیق دیتے

۲۶۔ قاضی صاحب موصوف نے ناصر الدین محمد بن قرقماس بن عبداللہ حنفی (متوفی ۸۸۲ھ) کی تفسیر **فتح الرحمن في تفسير القرآن** کو منظوم تفاسیر میں شمار کیا ہے، اور اس کے اختصار **نثر الجمان من فتح الرحمن** کو اسی کی نثر قرار دیا ہے (**تذكرة المفسرين**، ۲۳۸) اور انھی کی دیکھا دیکھی مولوی فقیر محمد نے بھی اسے منظوم تفاسیر میں درج کر دیا (**عالمی زبانوں میں تراجمِ قرآن مجید**، ۱۳۲)، حالاں کہ احمد بن محمد ادنوی، **طبقات المفسرين**، ۳۴۵؛ حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، (بیروت: دار إحياء التراث، ب ت)، ۲: ۱۲۳۲ اور ۲: ۱۹۲۶؛ اسماعیل پاشا، **هدية العارفين** (بیروت: دار إحياء التراث)، ۲: ۵۸ ؛ عمر رضا کحالہ، **معجم المؤلفين** (بیروت: دار إحياء التراث، ب ت)، ۱۱: ۱۵۰ اور خیر الدین زرکلی، **الأعلام** (بیروت: دار العلم للملايين، ۲۰۰۲ء)، ۷: ۱۰ وغیرہ نے **فتح الرحمن** کا ذکر کیا ہے (**فهرست مصنفات تفسير القرآن الكريم**، ۲: ۱۰۲۱) اور الجمان یا نثر الجمان کو اس کا اختصار کہا ہے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی اسے منظوم تفسیر نہیں کہا، بلکہ حاجی خلیفہ نے **فتح الرحمن** کا جو ابتدائی حصہ نقل کیا ہے وہ حسبِ ذیل ہے:

اولہ: الحمد لله منزل القرآن لخير أخرجت للناس... الخ قال: فلما يسر الكريم بختم كتابي فتح الرحمن قصدني عين الإخوان أن ألخص منه تفسيري المسجع على انفراده فما عدلت لأني جمعت فيه للنحاة وعلماء القراءات والمفسرين أقوالهم وما عن لي من إعراب وتفسير واعتراضات وتحرير فتكررت الآيات مرات الخ۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کوئی منظوم تفسیر نہیں، غالباً اس اشتباہ کی وجہ اس تفسیر کا مسجع ہونا ہے، حالاں کہ مسجع عبارت کو نثر ہی کہا جاتا ہے (عمر فروخ، **تاريخ الأدب العربي**، ۱: ۴۴)، اردو میں بھی نثر مسجع میں لکھے ایک ترجمۂ قرآن کا ذکر ملتا ہے (محمد عالم مختار حق، "قرآنِ مجید کے اردو تراجم و تفاسیر"، **سیارہ ڈائجسٹ**، ۲: ۴۱۶)، اسی طرح "سورۂ رحمن" کا ایک مقفیٰ اردو ترجمہ بھی معلوم ہوا ہے (مولوی عبد الحق، "پرانی اردو زبان میں قرآنِ مجید کے تراجم اور تفاسیر"، **سیارہ ڈائجسٹ**، ۲: ۱۷۱)۔

۲۷۔ "ایران کی فارسی تفسیر نویسی پر ایک نظر"، **ماہنامہ تعمیر افکار کراچی**، قرآن نمبر، ۱۱: ۸، ۹، ۱۰، اگست تا اکتوبر (۲۰۱۰ء)، ۲: ۲۳۹ – ۲۶۷۔

ہوئے موصوف نے فارسی کے ابتدائی تراجم سے لے کر دسویں صدی تک کے اہم تراجم و تفاسیر کا جائزہ پیش کیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ ان میں کوئی ایک بھی منظوم ترجمہ یا تفسیر شامل نہیں!

لائقِ ملاحظہ ہے کہ عربی اور فارسی جیسی ادبی شہ پاروں سے بھرپور اور نابغۂ روزگار نظم و نثر نگار ادیبوں سے مالا مال زبانیں جو برِ صغیر کی موجودہ زبانوں سے اور خاص طور پر اردو سے عمر میں کئی سو سال بڑی بھی ہیں، منظوم ترجمہ اور تفسیر کے رجحان میں بہت پیچھے نظر آتی ہیں۔

برِّصغیر میں منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کی مقبولیت کے اسباب

یہاں یہ سوال پیدا ہونا یقینی ہے کہ آخر وہ کیا اسباب و عوامل تھے جن کی بناء پر برِّصغیر میں اِس رجحان کو اس قدر پذیرائی اور مقبولیت حاصل ہوئی؟ اس سوال کے جواب میں حسبِ ذیل چند باتیں کہی جاسکتی ہیں:

۱۔ ترجمہ میں ترجمہ نگار اصل مضمون کے اسلوب اور انداز کی حکایت کی کوشش کرتا ہے، قرآنِ کریم کے الفاظ کی ترکیب بہت متوازن اور متناسب ہے، جب کہ ترجمے میں الفاظ کا توازن پیدا کرنے کے جذبے کی تسکین نثر سے ممکن نہیں۔

۲۔ قرآنِ کریم اگرچہ شعر نہیں، تاہم اس کے کلام میں اِس حد تک تسلسل، ترنّم اور صوتی آہنگ موجود ہے کہ مترجم کو نثر کی صورت میں ترجمہ کرتے ہوئے اس تسلسل اور ترنّم کو برقرار رکھنا مشکل محسوس ہوتا ہے، یہ چیز قادر الکلام مترجم کو نثر کے بجائے نظم پر آمادہ کرتی ہے۔

۳۔ قرآنِ کریم کے الفاظ انتہائی فصیح و بلیغ، برموقع اور برجستہ ہیں جس کی بنا پر کم الفاظ میں زیادہ معانی بیان ہو جاتے ہیں، جب کہ بہ صورتِ نثر ان کا ترجمہ کرتے ہوئے کثرتِ الفاظ کی وجہ سے ترجمے کا پھیلاؤ بہت بڑھ جاتا ہے۔

۴۔ ادبا کے ہاں یہ بحث خاصی پرانی ہے کہ نثر و نظم کے مابین فوقیت اور برتری کس کو حاصل ہے، اگرچہ دونوں طرف اہلِ علم ہیں، تاہم اکثر نے نظم کو ترجیح دی ہے۔[۲۸]

۵۔ ترجمہ نگار کے طبعی میلان اور طرزِ نظم میں خصوصی مہارت کا بھی اس میں بڑا دخل ہے۔

۲۸۔ شریف راغب علاونہ، المفاضلة بين الشعر والنثر النقدي الأندلسي، (مکہ مکرمہ: مجلة جامعة أم القرىٰ لعلوم الشريعة واللغة العربية وآدابها، ۴۶۴۔

۶- سامع اور قاری پر نثر کی بہ نسبت نظم زیادہ اثر انداز ہوتی ہے، لہٰذا ترجمے کی عوامی مقبولیت کی خواہش بھی اس کی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔

۷- طرزِ نظم میں ادا ہونے والے مضمون کو یاد رکھنا بہ نسبت نثر کے آسان ہوتا ہے، یہ بھی اس کا ایک سبب ہے۔

لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ سب وجوہات اس رجحان کی پذیرائی کی اصلی اور طبعی وجوہات نہیں ہیں، بلکہ ثانوی اسباب و عوامل ہیں، کیوں کہ ان سے تمام زبانوں کے ترجمہ و تفسیر نگاروں کو یکساں واسطہ ہے، اور برِ صغیر کے مترجمین سے ان وجوہات کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں!

راقم الحروف کے ناقص خیال میں اس کی صحیح وجہ تلاش کرنے کے لیے اس ماحول اور علمی و مذہبی فضا کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے جس میں برِ صغیر کے ترجمۂ قرآن نے آنکھ کھولی اور نشو و نما پائی، اس ماحول میں دو امور خاص طور پر لائقِ ملاحظہ ہیں:

۱- ایک طرف تو یہ نظر آتا ہے کہ یہاں کی مذہبی کتابوں اور دینی مضامین کا پیرایۂ بیان صدیوں سے نظم چلا آرہا تھا، جس کی وجہ سے یہاں کی زبانیں مذہبی بیانات کو نظم میں کہنے، اور یہاں کے کان نظم میں سننے کے عادی تھے، چناں چہ ہندو دھرم جس کا اس وقت برِ صغیر میں اسلام کو سب سے زیادہ سامنا تھا، اس کی مذہبی کتابیں منظوم تھیں، جیسا کہ ابو ریحان البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ) کا بیان ہے: "وكتبهم في العلوم مع ذلک منظومة بأنواع من الوزن في ذوقهم قد قصدوا بذلک انحفاظها على حالها و تقديرها و سرعة ظهور الفساد فيها عند وقوع الزيادة و النقصان ليسهل حفظها فإن تعويلهم عليه دون المكتوب." [۲۹] (اس کے علاوہ ان کی علمی کتابیں ان کے مذاق کے مطابق شعر کے مختلف اوزان میں منظوم ہیں، جس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ کتابیں اپنی اصلی حالت و مقدار میں محفوظ رہیں، اور کمی بیشی ہونے کی حالت میں خرابی کا فوراً پتا مل جائے، اور نیز ان کا یاد رکھنا آسان ہو اس لیے ہندوؤں کو حفظ پر جو اعتماد ہے تحریر پر نہیں ہے۔)[۳۰]

۲۹- ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی، تحقیق ما للهند من الديانة من مقولة مقبولة في العقل أو مرذولة (حیدر آباد: دکن، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، ۱۳۷۷ھ)، ۱۴۔

۳۰- نامعلوم، ہندو دھرم ہزار سال پہلے، اردو ترجمہ و تلخیص ابو ریحان البیرونی، تحقیق ما للهند من الديانة من مقولة مقبولة في العقل أو مرذولة ، (لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۷ء)، ۷۔

اور اسی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

وقد كنا قدمنا من كتبهم أنها مقدرة بأوزان كالأراجيز وأكثرها بوزن يسمى "شلوک" للسبب الذي قدمناه، و جالينوس يرتضي ذلک و يقول في كتاب **قاطاجانس**: إن الحروف المفرّدة لأوزان الأدوية تفسد بالنسخ و تفسد أيضًا بتعميه الحاسد و لهٰذا استحق "ديمقراطيس" أن تختار كتبه في الأدوية و يشهر أمرها و تحمد لأنها مكتوبة بشعر موزون في اليونانية، لكان جميلًا، و هذا لأن المنثور أقبل للفساد من المنظوم، و ليس بيد على ذلک النظم السائر، بل هو بنظم غيره، فمنهم من يقول: إنه معجز لا يقدر أحد منهم أن ينظم مثله، والمحصلون منهم يزعمون أن ذلک في مقدورهم لكنهم ممنوعون عنه احتراما له.[۳۱]

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہندوؤں کی کتابیں رجز کی طرح وزن کے ساتھ (یعنی نظم میں) لکھی جاتی ہیں اور اکثر کتابیں اس وزن میں ہیں جس کا نام "اشلوک" ہے، ہم اس کا سبب بھی بتلا چکے ہیں۔ جالینوس بھی اسی طریقے کو پسند کرتا ہے، اور کتاب **قاطاجانس** میں کہتا ہے: "مفرد حروف میں دواؤں کے اوزان لکھے جاتے ہیں، مِٹ کر خراب ہو جاتے ہیں۔ دشمن بھی ان کو مخفی طریقہ پر بگاڑ سکتا ہے، اس وجہ سے دوا میں دیمقراطیس کی کتابیں اس لائق ہیں کہ ان کو ترجیح دی جائے، ان کی شہرت اور ان کی تعریف کی جائے، یہ کتابیں یونانی زبان میں موزون شعر میں لکھی گئی ہیں، (اگر سب کتابیں اسی طرح لکھی جاتیں) تو خوب ہوتا، اس کا سبب یہ ہے کہ نثر میں خرابی قبول کرنے کی صلاحیت نظم سے زیادہ ہے۔ بیذ (یعنی وید) اس مروجہ نظم میں نہیں ہے، بلکہ وہ دوسری قسم کی نظم ہے، بعض لوگ کہتے ہیں وہ معجز ہے ان میں سے کوئی اس کی مثل نظم بنانے پر قادر نہیں ہے، ان کے علما محققین کا خیال یہ ہے کہ ان میں ایسی نظم بنانے کی صلاحیت ہے لیکن ادب سے ان کو ایسا کرنے کی ممانعت ہے۔[۳۲]

اتنا ہی نہیں، بلکہ ان کتابوں کی نظم کے باقاعدہ اوزان تھے، جن کے لیے ان کو ایک طرح کا علمِ عروض بھی حاصل کرنا پڑتا تھا، اور وہ ترنم کے ساتھ پڑھی اور سُنی جاتی تھیں، جس سے سننے والے معنی سے ناواقف ہونے کے باوجود بھی محظوظ ہوتے تھے، چناں چہ ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

ويتلوه "چند"، وهو وزان الشعر المقابل لعلم العروض، لايستغنون عنه، فإن كتبهم منظومة و قصدهم فيها أن يسهل استظهارها ولا يرجع في العلوم إلى الكتاب إلا عن

۳۱۔ البیرونی، تحقیق ما للهند، ۹۷- ۹۸۔

۳۲۔ البیرونی، ہندو دھرم ہزار سال پہلے، ۱۱۷۔

ضرورة، و ذلک لأن النفس تواقة إلى كل ما له تناسب و نظام ومشمئزة عما لا نظام له، و من أجل هذا ترى أكثر الهند يهترون لمنظومهم ويحرصون على قرائته و إن لم يعرفوا معناه، و يفرقعون أصابعهم فرحًا به واستجادة له، و لا يرغبون للمنثور و إن سهلت معرفته، و أكثر كتبهم "شلوكات"...الخ[۳۳]

اور "یاکرن" (ہندی کی نحو) کے ساتھ ہی ایک علم "چند" بھی ہے، جو عربی کے علم عروض کے مدِ مقابل (ہندی کے) اشعار کے اوزان کا علم ہے، اہلِ ہند کے لیے اس علم کو سیکھے بغیر کوئی چارہ نہیں، کیوں کہ ان کی کتابیں منظوم ہیں، کتابوں کے منظوم ہونے سے ان کی غرض یہ ہے کہ ان کا یاد کرنا آسان رہے، اور علوم میں کتابوں کی طرف رجوع صرف بوقتِ ضرورت ہی کیا جائے، وجہ اس کی یہ ہے کہ انسانی طبیعت ہر متوازن اور متناسب چیز کی طرف متوجہ ہوتی ہے، جب کہ غیر متناسب اور غیر متوازن چیز سے دور بھاگتی ہے، اسی لیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ اکثر ہندو اپنی کتابوں کے اِن منظوم مضامین کو سن کر بے خود ہو جاتے ہیں، ان کے معنی و مطلب سے ناواقف ہونے کے باوجود ان کو پڑھنے کے حریص ہوتے ہیں، اور ان کی عمدگی سے متاثر ہو کر خوشی سے جھومتے ہوئے اپنی انگلیاں بجانے لگتے ہیں، جب کہ نثر میں بیان کیے گئے مضامین کے بہ آسانی سمجھ آ جانے کے باوجود ان میں دل چسپی نہیں لیتے، اور ان کی کتابوں کے اکثر حصے "اشلوک" ہیں۔

غالباً اسی کا اثر ہے کہ آج بھی پاک و ہند کے دیہی علاقوں میں مسلمانوں کے ہاں بھی ایسے خطبا و واعظین کی خوب پذیرائی ہوتی ہے جو پر تکلف نظم و سجع کا سہارا لے کر بات کرتے ہیں، چاہے وہ کیسے بے تکے مضامین ہی بیان کریں، ان کو بہت دل چسپی سے سُنا اور سراہا جاتا ہے۔

۲- دوسری طرف یہاں کے مسلمانوں کی علمی مجالس پر فارسی زبان و ادب، تہذیب و تمدن اور رنگ ڈھنگ کا غلبہ تھا جس میں شاہنامہ، گشتاسپ نامہ، ہفت پیکر اور شیریں و خسرو جیسے قصوں اور مثنویوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی، یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کی بالکل ابتدائی کتب میں فارسی کی صنفِ مثنوی بہت نمایاں نظر آتی ہے،[۳۴] اور تو اور شروع میں قرآنِ کریم کے منظوم تراجم بھی انھی سورتوں کے کیے گئے جو قصوں پر مشتمل تھیں،

۳۳- البیرونی، مصدرِ سابق، ۱۰۵- ۱۰۶۔ وید اور ہندوؤں کی دیگر مذہبی کتب سے متعلق اہم معلومات کے لیے ملاحظہ فرمایئے: سید احمد دہلوی، **فرہنگِ آصفیہ** (حیدر آباد: دکن)، ۴: ۶۵۹، لفظِ وید۔

۳۴- مرزا محمد عسکری، اردو ترجمہ: **ہسٹری آف اردو لٹریچر** (از رام بابو سکسینہ)، ۷۵؛ خواجہ الطاف حسین حالی، **مقدمہ شعر و شاعری** (لاہور: کشمیر کتاب گھر، ب ت)، ۱۷۵۔

اور ان کے لیے انداز بھی داستان گوئی کا ہی اختیار کیا گیا، مثلاً سورۂ یوسف کے منظوم تراجم و تفاسیر کو ''یوسف زلیخا'' جیسے ناموں سے موسوم کیا گیا،(۳۵) اور ان کے منظوم ترجمہ و تفسیر کے لیے صنف بھی مثنوی ہی کی اختیار کی گئی۔

راقم کے ناقص خیال کے مطابق ان دو عوامل نے مل کر جو مذہبی اور علمی ماحول پیدا کر رکھا تھا اس میں پروان چڑھتی اردو ترجمہ و تفسیر نگاری کا اس سے متاثر ہونا ایک طبعی امر تھا، چناں چہ اس ماحول نے برِ صغیر میں منظوم ترجمہ اور تفسیر نگاری کے رجحان کی راہ ہموار کرنے اور ترویج میں خاص کردار ادا کیا۔

اردو میں منظوم ترجمے کے رجحان کی ابتدا اور اوّلین منظوم ترجمہ

برِ صغیر کی زبانوں میں سے اردو کو یہ فخر حاصل ہے کہ دنیا بھر کی زبانوں میں سب سے زیادہ قرآنِ کریم کے تراجم اسی میں ہوئے ہیں، اور ایک اندازے کے مطابق اردو میں گیارہ سو سے زائد کلی و جزوی تراجم ہو چکے ہیں،(۳۶) گذشتہ سطور سے یہ بھی ظاہر ہو چکا کہ برِ صغیر کے منظوم تفسیری ادب میں بھی سب سے زیادہ حصہ اردو کا ہے۔

اردو میں منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کی ابتدا پر جب غور کیا جاتا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اردو شاعری کے آغاز کے دوران ہی اردو میں منظوم ترجمۂ قرآن کی طرح پڑ چکی تھی، جس کی ابتدائی صورت یہ تھی کہ اردو کے شاعر اپنے حمدیہ نغموں اور نعتیہ زمزموں میں قرآنِ کریم کی آیات کے جزوی منظوم تراجم کرنے لگے تھے، چناں چہ اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز پندرھویں صدی عیسوی کے اوائل (یعنی نویں صدی ہجری) سے ہوا، ۸۲۵ھ / ۱۴۲۱ء اور ۸۳۹ھ / ۱۴۳۴ء کے درمیان لکھی گئی فخر دین نظامی کی تصنیف **کدم راؤ پدم راؤ** جسے اردو کی پہلی مصدقہ قدیم ترین تصنیف تسلیم کیا گیا ہے، اس کی ابتدا میں نظامی نے جو حمدیہ اشعار کہے ہیں ان میں یہ بیت بھی ہیں:

سپت سمند پانی جو مس کر بھریں
قلم رک رک پان پتر کریں
جمارے لکھیں سب فرشتے کہ جے
نہ پورن لکھن تد توحید تے(۳۷)

۳۵۔ مولوی عبد الحق، ''پرانی اردو زبان میں قرآنِ مجید کے تراجم اور تفاسیر''، **سیارہ ڈائجسٹ**، ۲: ۱۷۰

۳۶۔ مولوی فقیر محمد، مرجع سابق، ۸۷؛ اعجاز فاروق اکرم، مرجع سابق، ص ۸۲۔

۳۷۔ سید یحییٰ نشیط، **اردو میں حمد و مناجات**، ۲۵۔ فخر دین نظامی کے حالات اور ان کی کتاب سے متعلق دیگر اہم معلومات کے لیے ملاحظہ فرمائیے: تبسم کاشمیری، **اردو ادب کی تاریخ** (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ۸۰-۸۸۔

نظامی ان اشعار میں کہہ رہا ہے کہ ساتوں سمندروں کی سیاہی اور سارے نباتات کے قلم بناڈالے جائیں اور تمام فرشتے تیری قدرتِ کاملہ کو تحریر میں لائیں تب بھی وہ نہیں لاسکتے،(۳۸) ملاحظہ فرمائیے کہ یہ سورۂ کہف کی آیت نمبر۱۰۹: ﴿قُل لَّوْ كَانَ ٱلْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَٰتِ رَبِّى لَنَفِدَ ٱلْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَٰتُ رَبِّى وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِۦ مَدَدًا﴾ کا منظوم ترجمہ ہے۔(۳۹) اسی طرح دسویں صدی ہجری میں شیخ بہاؤالدین باجن (متوفی ۹۱۲ھ / ۱۵۰۶ء) نے اپنے حمدیہ اشعار میں درجِ ذیل شعر بھی رقم فرمایا ہے:

نا انہ جینا، نا وہ جانا، نا انہ مائی
باپ کھیلیا، نا انہ کوئی گود چڑھایا
ماجن سبہ انہ آپن پایا، پرگٹ ہوا
پر کہیں نہ بیٹھا رہیا آپ گھایا(۴۰)

غور کرنے سے یہ سورۂ اخلاص کا منظوم ترجمہ معلوم ہوتا ہے، اور اسی شعر کے پیشِ نظر بعض حضرات نے شیخ بہاؤالدین باجن کو نہ صرف مفسرین میں درج کر دیا ہے، بلکہ آپ کی طرف ایک منظوم تفسیر بھی منسوب کر دی ہے،(۴۱) حالاں کہ یہ اشعار شیخ باجن کی خزائنِ رحمت کے قلمی نسخے سے نقل کیے گئے ہیں، جو کہ مجموعۂ کلام ہے، کوئی منظوم تفسیر نہیں،(۴۲) مزید برآں شیخ باجن کے تذکرہ نگاروں نے نہ ان کو مفسر کی حیثیت سے یاد کیا اور نہ ان کی کوئی تفسیر بتائی ہے۔(۴۳) لہٰذا اسے اردو میں منظوم ترجمہ نگاری کی ابتدائی صورت تو کہا جاسکتا ہے، لیکن اس کی بنا پر کسی شاعر کو مفسر اور اس کے اشعار کو تفسیر کا عنوان دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

۳۸- سید یحییٰ نشیط، **اردو میں حمد و مناجات**، ۲۵۔

۳۹- اسی کے ہم معنی سورۂ لقمان کی آیت نمبر ۲۷ کے ترجمہ کو میر تقی میرؔ (متوفی ۱۲۲۵ھ) نے اس طرح نظم کیا ہے:

اشجار ہوویں خامہ وآب سیہ بحار
لکھنا نہ تو بھی ہو سکے اس کی صفات کا

(نشیط، مرجعِ سابق، ۶۷)۔

۴۰- نفس مرجع، ۲۸۔

۴۱- جمیل نقوی، **اردو تفاسیر** (کتابیات)، ۱۳۹؛ قاضی محمد زاہد الحسینی، **تذکرۃ المفسرین**، ۲۵۱؛ مولوی فقیر محمد، ۷۷۔

۴۲- نشیط، مرجعِ سابق، ۲۸، اور ۲۶۲؛ تبسم کاشمیری، **اردو ادب کی تاریخ**، ۵۸ — ۶۰۔

۴۳- عبدالحی حسنی، **الإعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام** (بیروت: دار ابن حزم، ۱۴۲۰ھ)، ۳۲۰؛ تبسم کاشمیری، **اردو ادب کی تاریخ**، ۵۸ — ۶۰۔

اس پسِ منظر کو مدِ نظر رکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ منظوم ترجمۂ قرآن کا رجحان جو نویں صدی ہجری میں عربی سے ترکی نے سیکھا تھا، وہ دسویں صدی ہجری میں برِ صغیر منتقل ہو رہا تھا، اور برِ صغیر کے اردو شعرا اس کو اپنے حمدیہ اشعار میں برتنے لگے تھے،[۴۴] جس کی بدولت اردو زبان باقاعدہ منظوم ترجمہ نگاری کی طرف رفتہ رفتہ قدم بڑھا رہی تھی، اور قریب تھا کہ برِ صغیر کی موجودہ زبانوں میں اوّلین منظوم ترجمہ کا اعزاز بھی اردو کو مل ہی جاتا، کہ گیارہویں صدی میں حافظ برخوردار نے نواب جعفر خان کی فرمائش پر سنہ ۱۰۹۰ھ میں سورۂ یوسف کی پنجابی منظوم تفسیر بنام **احسن القصص** لکھ کر یہ سہرا پنجابی زبان کے سر سجا دیا،[۴۵] اس کے ۱۹ سال بعد محمد امین نے اپنے پیش رو کی مکمل پیروی کرتے ہوئے سنہ ۱۱۰۹ھ میں سورۂ یوسف ہی کی گجراتی اردو میں منظوم تفسیر لکھ کر[۴۶] نہ صرف یہ کہ اردو کو اس حوالے سے دوسرا درجہ دِلا دیا، بلکہ اردو کے منظوم تفسیری ادب کی وہ خشتِ اوّل بھی رکھ دی کہ جس کی بنیاد پر قائم ہونے علمی دیوار اوجِ ثریا تک جا پہنچی۔

منظوم ترجمہ نگاری سے متعلق اہلِ علم کے تحفظات اور خدشات

شروع شروع میں منظوم ترجمہ نگاری سے متعلق اہلِ علم کی رائے کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھی، اور ان کا خیال یہ تھا کہ ایک عام کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا مشکل ہوتا ہے، پھر قرآنِ کریم جیسی کتابِ اعجاز کا ترجمہ تو اور بھی مشکل کام ہے،[۴۷] جب کہ نظم میں چوں کہ بحر، قافیہ اور وزن کی پابندیاں بھی دامن گیر ہوتی ہیں، اس لیے ایسا منظوم ترجمہ کرنا جس میں قرآنِ کریم کا مضمون بے کم وکاست ادا ہو جائے تقریباً ناممکن،

۴۴۔ اسی قسم کے مزید حمدیہ اشعار کے لیے ملاحظہ فرمائیے: سید یحییٰ نشیط، **اردو میں حمد و مناجات**، ۲۸، ۳۳، ۳۷، ۴۰، ۴۲، ۴۴، ۶۴، ۶۷، ۷۲، ۸۰، ۹۳، ۹۸، ۱۰۳، ۱۱۱، ۱۰۲، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۵۷۔

۴۵۔ اعجاز فاروق اکرم، "برِ صغیر میں مطالعۂ قرآن تراجم و تفاسیر"، ۹۴۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن قابلِ غور ہے کہ **سیارہ ڈائجسٹ**، قرآن نمبر (۳: ۴۷۹) میں محمد علی فائق کے منظوم ترجمۂ قرآن کو پنجابی کا اوّلین ترجمہ شمار کیا ہے، تاہم اس کی کوئی تاریخ درج نہیں کی گئی۔

۴۶۔ مولوی عبد الحق، "پرانی اردو زبان میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر"، **سیارہ ڈائجسٹ**، قرآن نمبر، ۲: ۱۷۰۔ اعجاز فاروق اکرم، "برِ صغیر میں مطالعۂ قرآن تراجم و تفاسیر"، ۸۲۔ ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ جمیل نقوی کا سنہ ۱۱۹۴ھ میں تحریر کی گئی شاہ غلام مرتضیٰ جنون الہ آبادی کی **تفسیر مرتضوی** کی **تفسیر پارہ عم** کو اردو منظوم تفاسیر میں اوّلیت کا درجہ دینا درست نہیں۔ (ملاحظہ کیجیے: جمیل نقوی، **اردو تفاسیر** (کتابیات)، ۲۶)۔

۴۷۔ محمد سلیم، "ترجمۂ قرآن کے مسائل اور ان کا حل"، **ماہنامہ تعمیر افکار کراچی**، قرآن نمبر، ۲: ۳۸۰ - ۴۰۳۔

اور اس میں معنوی تحریف کا کھٹکا ہے، علاوہ ازیں شعرا عام طور پر تخیل اور شعری ضروریات پر زیادہ توجہ رکھتے ہیں اور تفسیر و مفسر کی شرائط و آداب کو بہت زیادہ ملحوظ نہیں رکھتے، جس کے وجہ سے ان کے ہاتھوں قرآنِ کریم کے تختۂ مشق بننے کا خدشہ بھی ہے!

یہ بات بڑی حد تک معقول بھی تھی، اور اسی وجہ سے درجِ ذیل فتویٰ بھی دیا گیا تھا: ''رجل نظم القرآن بالفارسية يقتل لأنه كافر.''[۴۸] غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ مشقِ سخن کے لیے قرآنِ کریم کو بازیچۂ اطفال بنانے میں اس کی اہانت کا پہلو ہے، اسی لیے آٹھویں صدی ہجری تک منظوم ترجمہ و تفسیر نگاری کے رجحان کو کوئی خاص مقبولیت نہیں ملی، اور عربی تفسیری ادب میں اس نوعیت کی نمایاں خدمت نہ ہو سکی۔ چناں چہ دسویں صدی ہجری میں جب مشہور شافعی محدث، فقیہ و مفسر بدر الدین محمد بن محمد عامری غزی (۹۰۴ھ- ۹۸۴ھ) نے التيسير في التفسير کے نام سے منظوم تفسیر لکھی تو ان پر اہلِ علم کی اکثریت کو اعتراض ہوا،[۴۹] اور درجِ ذیل دل چسپ واقعہ پیش آیا:

التفسير الغريب جعله نظما في مائتي ألف بيت وزيادة، واختصره أيضا نظما، وقدمه إلى السلطان سليمان بن سليم صاحب الروم، فقابله بالإجلال والقبول، وطلب علماء الروم وعرض عليهم ذلک التفسير وقال: ما رأيكم؟ فقالوا: نجتمع ونبذل النصيحة، فإن وجدنا فيه زيادة أو نقصانا أو تبديلا في القرآن العظيم في حروفه أو شكله رفعنا ذلک إليكم، واستحق ما يقتضيه الشرع، وإن وجدناه على سنن الاستقامة استحق مؤلفه الجائزة والكرامة لأنه قدفعل فی زمنک ما لم يفعله غيره، فقال له السلطان : أنتم مقلدون في هذا الشأن، فتأملوه حرفا حرفا فلم يجدوا فيه تحريفا ولا تغييرا ولا تكلفا ولا تعسفا، فقضوا من ذلک العجب، وأخبروا السلطان فأعظم جائزته، وانفصل المؤلف من القسطنطينية بمال عظيم في غاية من التعظيم.[۵۰]

۴۸- **فتاویٰ عالمگیریہ** (کراچی: قدیمی کتب خانہ، ب ت)، ۲:۲۶۷۔

۴۹- ادنوی، طبقات، ۳۸۶۔

۵۰- محمد بن علی الشوکانی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن التاسع (قاہرہ: دار الكتاب الإسلامي، ب ت)، ۲:۲۵۲۔

(بدر الدین غزی) جن کی ایک عجیب و غریب تفسیر بھی ہے، جسے انھوں نے دو لاکھ سے زائد اشعار پر مشتمل نظم کی صورت میں مرتب کیا، پھر نظم کی صورت میں ہی اس کا اختصار بھی کیا، وہ اس منظوم تفسیر کو لے کر صاحبِ روم سلطان سلیمان بن سلیم کے پاس گئے، سلطان نے ان کی بہت عزت افزائی اور خاطر کی پھر روم کے تمام علما کو اس سے متعلق ان کی رائے دریافت کرنے کے لیے بلا بھیجا، ان علما نے کہا کہ ہم سب اس پر ایک اجتماع منعقد کر کے پوری خیر خواہی کے ساتھ غور کریں گے، اگر ہمیں اس تفسیر میں کوئی کمی بیشی، یا قرآنِ کریم کے حروف اور رسم الخط وغیرہ میں کوئی فرق نظر آیا تو ہم اس سے متعلق آپ کے ہاں مقدمہ دائر کریں گے، اور انھیں اس کی شرعی سزا ملے گی، اور اگر ہمیں اس کے طرز میں کوئی خامی نظر نہ آئی، تو اس تفسیر کے مولف خصوصی اعزاز و اکرام کی حق دار ہوں گے، کیوں کہ انھوں نے آپ کے عہد میں وہ کارنامہ سر انجام دیا ہے جو کسی اور نے نہیں دیا، تو سلطان نے ان کی اس بات کو قبول کیا اور ان کے فیصلے پر عمل درآمد کی یقین دہانی کروا دی، پھر (ان علما نے اجلاس بلا کر) اس تفسیر پر حرف بہ حرف غور کیا، نتیجۃً انھیں اس میں نہ کوئی تحریف و تبدیلی نظر آئی اور نہ کوئی تکلف اور مصنوعی پن محسوس ہوا، تو انھیں اس پر بڑا تعجب ہوا، اور انھوں نے اپنے فیصلے سے سلطان کو مطلع کر دیا، چناں چہ سلطان نے ان کو بڑے انعام سے نوازا، اور اس تفسیر کے مولف بڑے مال و دولت اور عزت افزائی کے ساتھ قسطنطینیہ سے واپس لوٹے۔

اس واقعے سے منظوم ترجمہ نگاری کے رجحان سے متعلق جہاں اہلِ علم کے خدشات اور تحفظات کا علم ہوتا ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک عربی اور ترکی میں اس رجحان کو خاص اہمیت نہیں ملی تھی، اسی طرح اس حوالے سے اس وقت کے ماحول کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خلافتِ عثمانیہ کے فقہا کا منظوم ترجمہ نگاری کے محتاط استعمال کے جواز پر اجماعی موقف سامنے آگیا تھا، یقیناً اس واقعے کے بعد منظوم ترجمہ اور تفسیر نگاری کے رجحان میں اضافہ ہوا ہو گا۔

اردو میں منظوم ترجمہ نگاری اور برِّصغیر کے اہلِ علم

اسی جیسی کچھ صورتِ حال برِصغیر کے اہلِ علم کو بھی پیش آئی، چناں چہ جب یہاں اس رجحان کے تحت منظوم تراجم و تفاسیر شائع کیے جانے لگے، تو انھوں نے بھی ایسے ہی خدشات کا اظہار کیا، پھر جب اردو کے بعض محتاط اور قادر الکلام شعرا نے مستند علما کی نگرانی میں اس نوعیت کی خدمت سر انجام دی، تو بہت سے اہلِ علم نے ان پر اپنی آرا میں اس کی تائید کر دی۔

چناں چہ علامہ عاشق حسین سیماب اکبر آبادی (متوفی ۱۹۵۱ء) کے **وحیٔ منظوم** پر مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا عتیق الرحمن عثمانی، ڈاکٹر غلام مصطفی خاں، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا عبد النعیم صدیقی، مولانا محمد صادق سندھی، مولانا محمد میاں، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد نعیم لدھیانوی اور

مولانا محمد ادریس صاحب وغیرہ حضرات کی تقاریظ و تائیدی کلمات درج ہیں،[۵۱] اسی طرح جناب مجید الدین احمد اثر زبیری لکھنوی (متوفی) کے منظوم ترجمۂ قرآن سحر البیان پر مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا عبد الماجد دریا بادی، مولانا قاری محمد طیب قاسمی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا محمد اعزاز علی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا شمس الحسن تھانوی، مولانا محمد حسین پالوا، مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور مولانا اکرام الحق صاحب کی تقاریظ اور تائیدی کلمات درج ہیں۔[۵۲]

تاہم جناب مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے جناب اثر زبیری صاحب کے ترجمے پر اپنی اس تقریظ میں ان کی قادر الکلامی کے اعتراف کے باوجود بھی اسی موقف کو برقرار رکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

آپ نے قرآنِ مجید کا ترجمہ نظم میں لکھنا شروع کیا ہے، میں نے اوّل نظر میں کہا تھا کہ نظم میں کسی طرح ترجمہ صحیح نہیں ہو سکتا اور مطالبِ قرآنیہ بے کم و کاست ادا نہیں ہو سکتے، اور اسی لیے حضرات فقہا نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، لیکن مختلف مقامات سے اس کو دیکھنے کے بعد اور سابقہ رائے اور فقہا کا ارشاد برقرار رکھنے کے باوجود اُن کی قادر الکلامی کی داد دینی پڑتی ہے کہ جس احتیاط کو شعر میں آپ نے استعمال کیا ہے، وہ درحقیقت آپ ہی کا حصہ ہے ---------- میرا مشورہ یہ ہے کہ اس کو ترجمۂ قرآن کے نام سے موسوم نہ کیا جائے بلکہ بمقتضائے احتیاط خلاصۂ مطالبِ قرآنی کہا جائے تو یہ ایک اچھی اور اچھوتی خدمت ہو گی۔[۵۳]

ایک اور موقع پر اسی قسم کی احتیاط پر مبنی یہ مشورہ ارشاد فرمایا ہے:

ایسی نظم کو قرآن کے نام سے موسوم نہ کیا جائے کیوں کہ اس کو ترجمۂ قرآن کا نام دینا ایک بھاری ذمہ داری اپنے سر لینا ہے، جس سے عہدہ برآ ہونا کسی شاعر اور ناظم کے امکان میں نہیں البتہ مضامینِ قرآنی کا عنوان دے کر کسی خاص مضمون کو اپنی نظم میں لایا جائے تو وہ مفاسد بھی نہیں ہوں گے جو ترجمہ کے منظوم ہونے میں پیدا ہوتے ہیں اور ایک مفید خدمت بھی ہو جائے گی۔

۵۱- سیماب اکبر آبادی، وحیٔ منظوم (کراچی: سیماب اکیڈمی، ۱۴۰۱ھ)، ابتدائیہ۔

۵۲- اثر زبیری لکھنوی، سحر البیان (کراچی: الحجاز پبلشرز، ۱۳۹۶ھ)، ۱: ۲۱ - ۳۳۔

۵۳- نفس مرجع، ۲: ۱۴۹۴ - ۱۴۹۷۔

کیا ہی اچھا ہو اگر منظوم ترجمہ نگار حضرات ان احتیاطات کے ساتھ ساتھ ان "التزامات" کو بھی ملحوظ رکھیں جن کو جناب اثر زبیری صاحب نے اپنے ترجمے میں برتا اور مقدمے میں تفصیل سے ذکر بھی کر دیا ہے،(۵۴) ان احتیاطی پہلوؤں کو مدِ نظر رکھ کر اگر یہ خدمت کی جائے تو امید ہے کہ مفید علمی اور تفسیری خدمت ہو گی، یہ ایک علاحدہ بات ہے کہ آج تک کسی بھی منظوم ترجمہ یا تفسیر کو وہ قبولِ عام حاصل نہیں ہوا جو نثر کی صورت میں لکھے گئے متعدد تراجم و تفاسیر کو حاصل ہے۔

۵۴- اثر زبیری لکھنوی، **سحر البیان**، ۱: ۹ تا ۱۴۔